© rasailojaraid.com

فہرست مضامین

حرف آغاز

عصر حاضر میں دعوتِ دین کی اہمیت اور اس کا طریقۂ کار — سید جلال الدین عمری — ۵

تحقیق وتنقید

مصحف عثمانی کی تدوین: چند تحقیق طلب سوالات — مولانا محمد عمار خاں ناصر — ۱۷

تدوینِ قرآن مجید کی روایات کا تجزیہ — پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی — ۴۳

بحث ونظر

عہدِ نبوی میں یمن میں اشاعتِ اسلام — حافظ محمد سرفراز غنی
۵۵

سیر وسوانح

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حاشیۂ صحیح بخاری — ڈاکٹر محمد سلیم — ۷۳

ترجمہ وتلخیص

تفسیر المبصر لنور القرآن — ایک تعارف — ڈاکٹر عفاف عبد الغفور حمید — ۸۹
مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

تعارف وتبصرہ

تحقیقات مسایلِ میراث — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی — ۱۱۱

دستاویزاتِ مشاورت — محمد علم اللہ — ۱۱۲

خبر نامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۵۷) — ۱۱۵

فہرست مضامین ومضمون نگاران تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد ۳۴، ۲۰۱۵ — ۱۱۷

مقالات کا انگریزی خلاصہ — ۱۲۱—۱۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ مولانا محمد عمار خاں ناصر

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گفٹ یونی ورسٹی گوجرانوالہ (پاکستان)

ammar_nasir@hotmail.com

۲۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سابق چیرمین، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

m nzdigitalpoint@gmail.com

۳۔ حافظ محمد سرفراز غنی

پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد (پاکستان)

hafizsarfraz786@yahoo.com

۴۔ ڈاکٹر محمد سلیم

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ دینیات (سنّی) مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

msaleem196330@gmail.com

۵۔ ڈاکٹر عفاف عبد الغفور حمید

ایسوسی ایٹ پروفیسر، قسم اصول الدین، کلیۃ الشریعۃ، جامعۃ الشارقہ (UAE)

۶۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

mrnadvi@yahoo.com

۷۔ جناب محمد علم اللہ اصلاحی

E-26، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۲۵

alamislahi@gmail.com

۸۔ سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی وامیر جماعت اسلامی ہند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حرف آغاز

عصر حاضر میں دعوتِ دین کی اہمیت اور اس کا طریقۂ کار

ــــــــــــ سید جلال الدین عمری

نومبر ۲۰۱۴ء میں مولانا سید جلال الدین عمری امیر جماعت اسلامی ہند، جماعت اسلامی پاکستان کی دعوت پر اس کے سہ روزہ آل پاکستان اجتماع عام (۲۱–۲۳ر نومبر) میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اس موقع پر ۲۰ر نومبر کو انھیں پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں قائم شیخ زاید اسلامک سینٹر میں لیکچر کے لیے مدعو کیا گیا۔ یہ سینٹر متحدہ عرب امارات کے صدر اور ابوظبی کے حکم راں شیخ زاید بن سلطان النہیان کی مالی امداد سے قائم کیا گیا ہے۔ لاہور کے علاوہ کراچی اور پشاور میں بھی یہ سینٹر قائم ہے۔ اس کے تحت ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے کورسز کے علاوہ عربی زبان اور شریعت کے ڈپلوما کورسز بھی چلتے ہیں۔ الاضواء کے نام سے ایک شش ماہی سہ لسانی (اردو، عربی، انگریزی) جرنل بھی شائع ہوتا ہے۔

اس سفر میں راقم سطور کو مولانا محترم کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا تھا۔ صبح دس بجے ہم سینٹر پہنچے تو وہاں کے اساتذہ نے ہمارا استقبال کیا۔ سینٹر کا ہال، جس میں تقریباً پانچ سو نشستیں تھیں، کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سامعین میں نصف سے زائد تعداد طالبات کی تھی۔ مولانا نے 'عصر حاضر میں دعوتِ دین کی اہمیت اور طریقہ کار' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ لیکچر کے بعد ہندوستان میں دعوتِ دین کی آزادی، ہندوستانی مسلمانوں کے حالات، اسلام میں آزادئ رائے کے حدود وغیرہ کے تعلق سے سوالات کیے گئے، جن کے مولانا نے جواب دیے۔ بعد میں تھوڑی دیر سینٹر کے اساتذہ کے ساتھ خصوصی نشست ہوئی۔ سینٹر کے ڈائرکٹر جناب اعجاز احمد صاحب نے اساتذہ کی تصنیفات کا ایک ایک سیٹ مولانا اور راقم سطور کو عنایت کیا۔

مولانا کے خطاب کو ریکارڈ کرلیا گیا تھا۔ اسے نقل کرکے موصوف کی نظر ثانی کے بعد افادۂ عام کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ **(رضی الاسلام)**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وعلی آله وصحبه اجمعین و من تبعهم باحسان الی یوم الدین، اما بعد:

اسٹیج پر تشریف فرما ذمہ دارانِ شعبہ، محترم اساتذۂ کرام، عزیز طلبہ وطالبات !

پنجاب یونی ورسٹی دنیا کی ان چند یونی ورسٹیوں میں سے ایک ہے جنھوں نے اسلام اور اسلامی تاریخ پر گہرے نقش چھوڑے ہیں۔ مجھے دس سال قبل یہاں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اب دوبارہ حاضر ہونے کا موقع ملا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور ذمہ دارانِ شعبہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے یہ موقع فراہم کیا۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ اس وقت — دعوت دین اور اس کا طریقۂ کار — کے موضوع پر مجھے اظہار خیال کرنا ہے۔

دعوت کی ضرورت

محترم اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ وطالبات!

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور قرآن نے اسے اسی حیثیت سے پیش کیا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کا یہی دین رہا ہے۔ اس کے بارے میں ہمارا ایمان ویقین ہے کہ اسی سے انسان دنیا میں شستہ اور شائستہ زندگی گزار سکتا ہے اور اسی کے ذریعہ آخرت کی فلاح وکام رانی اس کے حصہ میں آسکتی ہے۔ اس دنیا میں بہتر اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے لیے اسلام کے سوا دوسرا راستہ نہیں ہے اور آخرت کی کام یابی کا بھی اسی پر انحصار ہے تو یہیں سے دعوت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ یہ بات کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور ہر شخص کے لیے ہے، اس کا منطقی تقاضا ہے کہ وہ سب تک پہنچے۔ ہر ایک کو معلوم ہو کہ اسلام ہی اس کے لیے راہِ نجات ہے۔ اس کے علاوہ نجات اور کام یابی کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ ورنہ کوئی بھی شخص کہہ سکتا ہے کہ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ میری کام یابی اسلام سے وابستہ ہے۔ میں کیسے اس پر عمل کرتا؟ یہ فطری سوال ہے۔ اس کا جواب دعوت ہی میں پوشیدہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعثتِ انبیاء کا مقصد

قرآن نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ انبیاء و رسل کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کے پاس یہ عذر باقی نہ رہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ صحیح راستہ کیا ہے اور اسلام ہی میں میری کامیابی ہے:

رُسُلاً مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلاَّ یَکُونَ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ (النسائ:۱۶۵)

(یہ رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے، تاکہ ان کی بعثت کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت باقی نہ رہے۔)

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ کے جو رسول آئے وہ بشارت دینے والے تھے۔ یعنی وہ یہ بتاتے تھے کہ اللہ کے دین کو قبول کرنے سے تمھاری دنیاوی زندگی کامیابی سے ہم کنار ہوگی اور آخرت کی کامیابی بھی اسی سے وابستہ ہے۔ اسی طرح وہ 'انذار' کا فرض بھی انجام دیتے تھے کہ اللہ کے دین کی مخالفت تمھارے حق میں صحیح نہیں ہے۔ یہ تمھیں دنیا اور آخرت میں ناکام و نامراد کردے گی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بعثتِ انبیاء کے بعد انسانوں کا یہ عذر ختم ہو گیا کہ وہ کہہ سکیں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ اسلام ہی سے ہماری کامیابی وابستہ ہے۔ اب کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اللہ کی مرضی کیا ہے؟ کامیابی کا راستہ کیا ہے؟ اور ناکامی کا راستہ کون سا ہے؟ اس سے لاعلمی اور ناواقفیت کا عذر ہی باقی نہیں رہا۔ قرآن نے ایک جگہ وحی و رسالت اور بعثت انبیاء کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَسُوْلٍ اِلاَّ نُوْحِی اِلَیْہِ اَنَّہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیائ: ۲۵)

(اے پیغمبر ﷺ! ہم نے جتنے بھی رسول تم سے پہلے بھیجے ان کے پاس یہی وحی کی جاتی تھی کہ میں ہی تمھارا معبود ہوں، لہٰذا تمھیں میری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی بندگی کرنی ہے۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کی دعوت کی بنیاد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، اسی کی عبادت ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ انسان کے لیے صحیح نہیں ہے۔ یہی وہ بنیادی نکتہ تھا جس کی دعوت وہ دنیا کو دیتے تھے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت صرف یہی نہیں ہوتی تھی کہ لوگ اللہ کی بندگی کریں، بلکہ یہ بھی ہوتی تھی کہ وہ غیر اللہ کی عبادت سے اجتناب کریں:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِی كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُولاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔ (النحل:۳۶)

(ہم نے جتنے رسول بھیجے انھوں نے اپنی قوموں سے یہی کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔)

'طاغوت' کے معنی سرکش کے ہیں۔ شیطان کو بھی طاغوت کہا گیا ہے اور وہ تمام طاقتیں، جو اللہ کے خلاف کھڑی ہوں، طاغوت کہلاتی ہیں۔ بتوں کو بھی طاغوت کہا گیا ہے، اس لیے کہ بت اللہ سے بغاوت کی علامت ہیں۔ اس آیت میں مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے دعوت کا ذکر ہے۔ انبیاء کی دعوت کا ایک پہلو یہ ہوتا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے تھے اور دوسرا پہلو یہ ہوتا تھا کہ وہ طاغوت سے اجتناب کے لیے کہتے تھے۔

عقیدہ اور عمل کی آزادی

آج کی دنیا میں اصولی طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ انسان کو عقیدے اور عمل کی آزادی ہونی چاہیے۔ وہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اور جس مذہب کو ناپسند کرے نہ اختیار کرے۔ اس آزادی کو بنیادی انسانی حقوق (Fundamental Human Rights) میں شمار کیا گیا ہے۔ دورِ حاضر نے اب اس آزادی کے حق کو تسلیم کیا ہے، لیکن قرآن نے آج سے بہت پہلے اسے تسلیم کیا تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کے لیے 'تسلیم کرنے' کا لفظ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں دباؤ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفہوم شامل ہوتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ قرآن نے اس کا اعلان کیا تھا کہ انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جو مذہب چاہے، اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش اور امتحان میں رکھا ہے، اس کا بھی تقاضا ہے کہ اس کو کسی ایک چیز کا پابند نہ بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا:

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ وَ مَنْ شَاءَ فَلْیَکْفُرْ۔ (الکہف ۲۹)

(اے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے کہ تمھارے رب کے پاس سے حق آ گیا۔ اب جس کا جی چاہے اس پر ایمان لے آئے اور جس کی جی چاہے اس کا انکار کر دے۔)

قرآن یا اسلام کو 'حق' اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اس کے نزدیک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اللہ کا وجود، اس کی ہدایت، آخرت کا آنا، ان چیزوں کو وہ قیاس نہیں کہتا، بلکہ ثابت شدہ حقائق کہتا ہے، جو دلائل سے ثابت ہیں۔ زمین اور آسمان ان کی گواہی دے رہے ہیں اور عقل ان کی تائید کرتی ہے۔ اسلام دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حق ہے، ثابت شدہ ہے، جسے عقل کی بنیاد پر چیلنج نہیں کیا جا سکتا اور دلائل سے اسے شکست نہیں دی جا سکتی، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اسے قبول کرنے کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ارشاد ہے:

اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا۔ (الدھر:۳)

(ہم نے انسان کو سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ اب یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کا رویہ اختیار کرتا ہے۔)

اسی طرح ایک موقع پر فرمایا گیا ہے:

لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی۔ (البقرۃ:۲۵۶)

(دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ سیدھے راستے کو گمراہی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممتاز کر کے دکھایا گیا ہے۔ اب جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے اس نے ایک مضبوط رسی تھام لی۔)

جبر دو طرح کا ہوتا ہے: ایک طبعی جبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنی مخلوقات پیدا کی ہیں، طبعاً وہ مجبور ہیں کہ اللہ کے قانون کی پابندی کریں۔ لیکن انسان کو طبعی طور پر مجبور نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ اسے عقل و فہم کی دولت عطا کی گئی ہے۔ اس کے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ سیدھا راستہ کیا ہے اور غلط راستہ کیا؟ اس کے نتائج سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اس سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ غور و خوض کرے اور دلائل کی روشنی میں صحیح راہ اختیار کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو زندگی کے پیچ و خم میں مضبوط بنیاد اس کے ہاتھ میں ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ اس چیز کی تمنا نہ کیجیے کہ سب ہی لوگ ایمان لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اس طرح پیدا کی ہے کہ اس میں اسلام کے ساتھ کفر بھی رہے گا۔ تمام انسانوں کو بہ جبر اسلام پر جمع نہیں کیا جا سکتا:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعًا، اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (یونس ۹۹)

(اگر اللہ چاہتا تو (دوسری مخلوقات کی طرح) تمام انسانوں کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتا۔ پھر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ سب ایمان لے آئیں۔)

جو آزادی انسان کو دی گئی ہے، اسی کے اندر اس کا امتحان ہے۔ اسلام اس آزادی کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسلام کو پیش کریں، اپنی بات دلائل سے ثابت کریں اور لوگوں کو اس پر مطمئن کرنے کی کوشش کریں، لیکن اسے اختیار کرنے پر مجبور کرنے کا کسی بھی فرد یا گروہ کو حق حاصل نہیں ہے۔ دین کے معاملے میں جبر کی اسلام نے کسی حال میں اجازت نہیں دی ہے۔

یہاں میں چاہتا ہوں کہ مختصراً ایک مسئلہ بیان کر دوں۔ اگر کوئی شخص زور زبردستی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی وجہ سے اسلام قبول کر لے۔ فرض کیجیے کہ اس نے جان کے خطرہ سے کلمہ پڑھ لیا۔ بعد میں وہ کہتا ہے کہ میرے ساتھ زبردستی کی گئی تو اسے اپنے سابقہ مذہب پر واپس جانے کی اجازت ہوگی۔ اسے مرتد ہونے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ فقہاء نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اگر کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اور وہ اسلام لے آئے تو اس کے قبولِ اسلام کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

اسلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے زور سے یا حکومتوں کے دباؤ کے ذریعہ پھیلا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ اسلام کا موقف نہیں ہے۔ ایک تو تاریخ سے اس کا ثبوت فراہم کرنا مشکل ہے اور اگر خدانہ خواستہ کوئی واقعہ آپ پیش بھی کر دیں تو اس کے بارے میں پورے اطمینان کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ ایسا کوئی واقعہ، جس میں کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہو، شاید تاریخ میں نہ ملے، لیکن چوں کہ ہماری طویل تاریخ ہے اور دنیا کے ایک بڑے حصہ پر ہماری حکومت رہی ہے، اس لیے ممکن ہے، کوئی شخص ایسا کوئی واقعہ تلاش کر کے پیش کر دے۔ اس واقعہ کو چیلنج کرنا مؤرخین کا کام ہوگا، لیکن مجھ جیسا طالب علم وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

دعوت کا طریقۂ کار

مجھے قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ملی جس میں کہا گیا ہو کہ اسلام کو طاقت کے ذریعے پھیلاؤ۔ اس نے جو راستہ دکھایا ہے وہ یہ ہے:

> اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ، اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ۔(النحل:۱۲۵)
>
> (آپ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجیے، حکمت کے ساتھ، عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور مباحثہ کیجیے ایسے طریقے سے جو عمدہ ہو۔ آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ راست پر چلنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والوں کو بھی اچھی طرح جانتا ہے۔)

حکمت کے معنی ہیں فہم و بصیرت اور دلائل کے ساتھ، کسی چیز کی تہہ تک پہنچ جانا، اس کی باریکیوں کو تلاش کرنا، اس کی معنویت کو سمجھنا۔ اس آیت میں تین باتیں کہی گئی ہیں: ایک یہ کہ آپ اللہ کے راستے کی طرف دعوت دیجیے حکمت کے ساتھ، دلائل کے ساتھ، دین کی معنویت کو واضح کر کے یا عصری تعبیر میں اس کی فلاسفی بیان کر کے اور اس کی معقولیت کو واضح کر کے۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اس کے لیے آپ وعظ و نصیحت بھی کر سکتے ہیں۔ بعض دفعہ انسان وعظ و نصیحت سے بھی متاثر ہوتا ہے، خیر خواہی کے ساتھ اسے نصیحت کی جائے تو اسے قبول کر لیتا ہے۔ اس میں انسان کی عقل سے زیادہ اس کے دینی جذبات سے اپیل کی جاتی ہے اور اسے اللہ کا خوف دلایا جاتا ہے۔ تیسری بات یہ کہی گئی کہ جب گفتگو کی ضرورت پیش آئے تو بہتر طریقہ سے گفتگو کی جائے۔ گفتگو ایسی نہ ہو جس سے معلوم ہو کہ آپ مخالف کی بات سننا نہیں چاہتے یا ردّ و کد ہو اور بحث کو غلط رخ دینے کی کوشش کی جائے۔ قرآن نے کہا کہ اگر کوئی اسلام کو سمجھنا چاہے تو آپ اس سے بہتر طریقے سے گفتگو کیجیے۔

مذاہب کے درمیان ڈائیلاگ

آج کل کہا جاتا ہے کہ مذاہب کے درمیان ڈائیلاگ ہونا چاہیے۔ اس کی بنیاد اسلام نے رکھی ہے۔ مذکورہ آیت مشرکین سے خطاب کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اہل کتاب سے بھی گفتگو کی نوبت آئے تو تمھیں گفتگو کا یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ فرمایا گیا:

وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ (العنکبوت:۴۶)

(اور اہل کتاب سے مباحثہ نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے۔)

اہل کتاب سے بحث و گفتگو جس احسن طریقہ سے کرنے کی ہدایت ہے، یہی طریقہ ان مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ بھی اختیار کیا جائے گا جو اپنے پاس آسمانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بحث وگفتگو کے سلسلے میں یہ ہدایت بھی کی گئی کہ اگر آپ محسوس کریں کہ بات کا رخ غلط سمت میں ہے اور اسے صحیح طریقے سے سمجھا اور سمجھایا نہیں جارہا ہے اور کٹ حجتی کا راستہ اختیار کیا جارہا ہے تو اس کا سلسلہ منقطع کردیجیے۔ اس سلسلے کی تفصیلی ہدایت سورہ انعام میں دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِيْ آيَتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (الانعام: ۶۸)

(جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں بے معنی بحثیں کررہے ہیں تو ان سے رخ پھیرلو۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں۔ اگر شیطان تمھیں اس بات کو بھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔)

ان آیات میں جو ہدایات دی گئی ہیں وہی بنیاد ہیں دین کی دعوت کی۔ ان ہدایات کو ہمیشہ ہمیں اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔

یہاں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ کارِ دعوت کے لیے علمی وفکری تیاری کی بڑی اہمیت ہے۔ جب آپ کہتے ہیں کہ اسلام ہی دین حق ہے اور اسی میں انسانوں کی نجات ہے تو آپ کا مجرّد یہ دعویٰ علمی دنیا میں قابلِ قبول نہیں ہوگا اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی بات دلائل کے ساتھ پیش کرنے کے موقف میں ہوں اور حریف کے دعویٰ کو دلائل کے ساتھ رد کرسکیں اس کے بغیر آپ کی بات پہلے بھی قابل قبول نہیں ہوتی تھی اور آج بھی نہیں ہوگی۔ اس کے لیے آپ کو دوسرے مذاہب کے بارے میں علم ہونا چاہیے۔ ان کے پاس کیا دلائل ہیں؟ دنیا کے بارے میں وہ کیا سوچتے ہیں؟ ان کے ہاں مُکتی اور نجات کا کوئی تصور ہے تو کیا ہے؟ اس کی ان کے پاس کیا بنیاد ہے؟ ان کے یہاں آخرت کا کوئی تصور ہے یا نہیں؟ رسالت کا کوئی تصور ہے یا نہیں؟ توحید کا کوئی تصور ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے، اس کے لیے آپ کو ان مذاہب کا کافی مطالعہ اور اسٹڈی کرنی ہوگی، تبھی آپ اس پوزیشن میں ہوں گے کہ اللہ کے دین کو اس کے بندوں کے سامنے پیش کرسکیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دعوت کا کام پوری امت کا ہے

اس کام کو قرآن میں پوری امت کا کام بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران: ۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی ہدایت کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم بھلائیوں کا حکم دیتے ہو، برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے وہ چیز پیش کی جائے جس میں ان کا دنیا و آخرت میں بھلا ہو۔ انھیں بتایا جائے کہ بھلائی کس چیز میں ہے؟ ان کا مفاد کس چیز میں ہے؟ آگے اس کی تشریح کی گئی کہ تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔ 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' ایک جامع اصطلاح ہے۔ معروف سے کچھ خاص بھلائیاں یا منکر سے مخصوص خرابیاں مراد نہیں ہیں، بلکہ ان الفاظ میں پورا دین آجاتا ہے۔

دراصل یہ کام پوری امت کا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس مشن پر مامور سمجھے۔ امت کا ہر فرد اپنے اپنے طور پر دعوت دین کا کچھ نہ کچھ کام کرسکتا ہے، لیکن امت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اس کے لیے ایسے افراد تیار کرے جو اس کام کو کماحقہ انجام دے سکیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا کہ تمھارے اندر ایک جماعت اس کام کے لیے مخصوص ہونی چاہیے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: ۱۰۴)

(تم میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائے سے روکتے رہیں۔)

یہ دونوں باتیں اسی لیے کہی گئی ہیں کہ امت اس ضروت کو محسوس کرے اور ایسے لوگوں کو تیار کرے جو یہ کام انجام دے سکیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ امت دنیا کی بہت سی باتوں پر غور کرتی اور کبھی عمل بھی کرتی ہے، لیکن یہ بات کہ یہ امت اس دنیا

© rasailojaraid.com